كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں۔[1] (۴۶)

سُوْرَةُ عَبَسَ

سورۂ عبس مکی ہے اور اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿١﴾

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔(۱)

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿٢﴾

(صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔[2] (۲)

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ﴿٣﴾

تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔[3] (۳)

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿٤﴾

یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔(۴)

بھی نہیں دیا ہے۔ مَنْ يَّخْشَاهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے' ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

(۱) عَشِيَّةً ، ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ' طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی دنیا کی زندگی' انہیں اتنی قلیل معلوم ہو گی۔

☆- اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم جو نابینا تھے' تشریف لے آئے اور آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی' تفسیر سورۂ عبس۔ صحیحۃ الألبانی)

(۲) ابن ام مکتوم کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے' اسے عَبَسَ سے اور بے توجہی کو تَوَلّٰى سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا' اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿٥﴾
جو بے پروائی کرتا ہے۔[1] (۵)

فَأَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿٦﴾
اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے۔[2] (۶)

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰى ﴿٧﴾
حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں۔[3] (۷)

وَأَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿٨﴾
اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔[4] (۸)

وَهُوَ يَخْشٰى ﴿٩﴾
اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے۔[5] (۹)

فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿١٠﴾
تو اس سے تو بے رخی برتتا ہے۔[6] (۱۰)

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾
یہ ٹھیک نہیں[7] قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے۔(۱۱)

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿١٢﴾
جو چاہے اس سے نصیحت لے۔[8] (۱۲)

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾
(یہ تو) پر عظمت صحیفوں میں (ہے)۔[9] (۱۳)

---

(۱) ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت و غنا ہے۔

(۲) اس میں آپ ﷺ کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مخلصین کو چھوڑ کر معرضین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔

(۳) کیوں کہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔

(۵) یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے' جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

(۶) یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت' امیر اور غریب' آقا و غلام' مرد اور عورت' چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے' اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت' ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

(۷) یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ' یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ' آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔

(۸) یعنی جو اس میں رغبت کرے' وہ اس سے نصیحت حاصل کرے' اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے' جیسے اشراف قریش نے کیا' تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) یعنی لوح محفوظ میں' کیوں کہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیوں کہ وہ علم و حکمت سے پر ہیں۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾
بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾
كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾
قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾
مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾
مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾
ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾
ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾

جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں۔ (۱) (۱۴)
ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ (۲) (۱۵)
جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔ (۳) (۱۶)
اللہ کی مار انسان پر کیسا ناشکرا ہے۔ (۴) (۱۷)
اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا۔(۱۸)
(اسے) ایک نطفہ سے، (۵) پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔ (۶) (۱۹)
پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔ (۷) (۲۰)
پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا۔ (۸) (۲۱)

---

(۱) مَرْفُوعَةٍ اللہ کے ہاں رفیع القدر ہیں، یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ مُطَهَّرَةٍ، وہ بالکل پاک ہیں کیوں کہ انہیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہے۔

(۲) سَفَرَةٍ، سَافِرٌ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) یعنی خلق کے اعتبار سے وہ کریم یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں کِرَامٍ بَرَرَةٍ کا مصداق ہونا چاہیئے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی سَفَرَةٍ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ السَّفَرَةُ الْكِرَامُ الْبَرَرَةُ (فرشتوں) کے ساتھ ہو گا اور جو قرآن پڑھتا ہے، لیکن مشقت کے ساتھ۔ (یعنی ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھتا) اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔
(صحیح بخاری، تفسیر سورۃ عبس مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الماھر بالقرآن ......)

(۴) اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، قُتِلَ بمعنی لُعِنَ اور مَا أَكْفَرَهُ! فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکرا ہے۔ آگے اس انسان کفور کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آجائے۔

(۵) یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرۂ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟

(۶) اس کا مطلب ہے کہ اسکے مصالح نفس اسے مہیا کیے، اسکو دو ہاتھ دو پیر اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و خواص عطا کیے۔

(۷) یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۸) یعنی موت کے بعد، اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی

ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنشَرَهُۥ ﴿۲۲﴾
پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔(۲۲)

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُۥ ﴿۲۳﴾
ہرگز نہیں،[۱] اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی۔(۲۳)

فَلْيَنظُرِ ٱلْإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ﴿۲۴﴾
انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے۔[۲] (۲۴)

أَنَّا صَبَبْنَا ٱلْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾
کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔(۲۵)

ثُمَّ شَقَقْنَا ٱلْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾
پھر پھاڑا زمین کو اچھی طرح۔(۲۶)

فَأَنۢبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾
پھر اس میں سے اناج اگائے۔(۲۷)

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾
اور انگور اور ترکاری۔(۲۸)

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾
اور زیتون اور کھجور۔(۲۹)

وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾
اور گنجان باغات۔(۳۰)

وَفَٰكِهَةً وَأَبًّا ﴿۳۱﴾
اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی اگایا)[۳] (۳۱)

مَّتَٰعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَٰمِكُمْ ﴿۳۲﴾
تمہارے استعمال و فائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔(۳۲)

فَإِذَا جَآءَتِ ٱلصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾
پس جب کہ کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے گی۔[۴] (۳۳)

يَوْمَ يَفِرُّ ٱلْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾
اس دن آدمی اپنے بھائی سے۔(۳۴)

وَأُمِّهِۦ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾
اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔(۳۵)

وَصَٰحِبَتِهِۦ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾
اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔(۳۶)

لِكُلِّ ٱمْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾
ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہو گی جو اس کے لیے کافی ہو گی۔[۵] (۳۷)

لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے حرمتی ہوتی۔

(۱) یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

(۲) کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسباب معاش مہیا کئے تاکہ وہ ان کے ذریعے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

(۳) أَبًّا، وہ گھاس چارہ جو خودرو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

(۴) قیامت کو صَاخَّةٌ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہو گی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

(۵) یا اپنے اقربا اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گا۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾
اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔(۳۸)
(جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے۔[1] (۳۹)
اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔(۴۰)
جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی۔[2] (۴۱)
وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔[3] (۴۲)

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ

سورۂ تکویر مکی ہے اور اس میں انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔[4] (۱)

محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اس طرح شرم گاہوں پر نظر نہیں پڑے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ ﴾ (الترمذی، تفسیر سورۃ عبس، النسائی، کتاب الجنائز، باب البعث) اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے گھر والوں سے اس لیے بھاگے گا تاکہ وہ اس کی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھیں جس میں وہ مبتلا ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، اس لیے کہ انہیں علم ہو گا کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے، جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انہیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا، جس سے ان کے چہرے خوشی سے تمتمارہے ہوں گے۔

(۲) یعنی ذلت اور معائنۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بداطوار بھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

☆ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے، جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (الترمذی، تفسیر سورۃ التکویر، مسند أحمد ۲/ ۲۷، ۳۶، ۱۰۰۔ ذکرہ الألبانی فی الصحیحۃ، نمبر ۱۰۸۱، ج ۳)

(۴) یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی